

## خطاب بہ جوانانِ اسلام (علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

# 08

### مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
تدبر کرنا	غور کرنا، سوچنا
دارا	ایران کا بادشاہ
گردوں	آسمان
آغوش	گود
تمدن آفریں	تمدن پیدا کرنے والا یعنی دنیا کو تہذیب سے آشنا کرنے والا
خلاق	پیدا کرنے والا، بنانے والا
جہاں داری	حکمرانی، حکومت کرنا
شتر بان	اونٹ پالنے والے، اونٹ چرانے والے، عرب لوگ مراد ہیں
امارت	امیری
گدائی	فقیری، بے سروسامانی
تخیل	قوتِ تخیل، خیال، تصور
میراث	ورثہ، ترکہ
منعم	امیر آدمی
فزون تر	بڑھ کر
آبا	باپ دادا
نسبت	تعلق
گفتار	بولنا، مراد ہے ”باتیں ہی باتیں“
کردار	عمل
ثابت	ایک ہی مقام پر رکا ہوا

سیارا	متحرک
اسلاف	باپ دادا، پچھلے بزرگ، آباؤ اجداد
آئینِ مسلم	مانا ہوا اصول۔ طے شدہ اصول
ثریا	سات ستارے جو پاس پاس ہوتے ہیں۔ بلندی۔

(بورڈ 19-12-11-10-08-2007)

خلاصہ:

اے مسلمان نوجوان! کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تمہارا تعلق ایک ایسی عظیم قوم سے ہے جس نے دارا جیسے بادشاہ کے تاج کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا۔ اُس صحرائی قوم نے دنیا کوئی تہذیب دی اور آداب حکمرانی سکھائے۔ بادشاہت میں فقیری اور غربت میں غیرت اُن کا خاصہ تھا۔ اے مسلمان نوجوان! تیرا اپنے اسلاف سے کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ تُو صرف باتیں بناتا ہے، وہ عمل کرتے تھے؛ تُو کاہل ہے، وہ محنتی تھے۔ اسلاف کی وراثت ضائع کر کے تو عروج اور حکومت سے محروم ہو گیا۔ مجھے حکومت چھن جانے کا دکھ نہیں ہے کیوں کہ وہ تو ناپائیدار چیز ہے مگر جب میں اسلاف کی کتابیں یورپ میں دیکھتا ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اے غنی! یعقوبؒ کی بد قسمتی ہے کہ ان کی آنکھوں کے نور (حضرت یوسفؑ) نے زلیخا کی آنکھوں کو روشن کیا۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1: کبھی اے نوجوان مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے؟ (بورڈ 2009)

وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟

تشریح: عظیم فلسفی شاعر علامہ محمد اقبالؒ برصغیر کے مسلمانوں کے قومی راہنما تھے۔ ان کی شاعری نے اس خطے کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ زیر تشریح شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اے مسلمان نوجوان! کیا تم نے کبھی غور و فکر کیا ہے کہ تم کس قوم کے فرد ہو؟ جو قوم آسمان کی سر بلندی کی مالک تھی۔

ماضی اور حال کا موازنہ ہے۔ ماضی کی شان و شوکت اور حال کی پسماندگی اور پستی کے اسباب کے محرکات پر سوچنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ماضی کے آئینے میں حال اور مستقبل کا رخ دکھانے کی سعی کی گئی ہے۔ مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ماضی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے کردار کا تجزیہ کریں۔ نوجوان کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ قوم کے مستقبل کا انحصار نوجوانوں کے کردار پر ہوتا ہے اسی لیے تمام مصلحین نوجوان نسل ہی سے مخاطب ہوتے ہیں۔

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گزگا  
کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

امتِ مسلمہ نے دنیا کے بیشتر حصے پر کم و بیش ہزار سال تک حکومت کی۔ مسلمان جزیرہ نمائے عرب سے نکلے تو سیلاب بن کر ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہاتے چلے گئے۔ دنیا کی کوئی طاقت انھیں نہ روک سکی۔ مصر، ایران، روم کی سلطنتیں مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ جب تک ہمارا ماضی ہمارے سامنے نہ ہو، اُس وقت تک ہم اپنی منزل کا تعین نہیں کر سکتے۔ اس لیے مسلمان نوجوانوں کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس امت کے فرد ہیں۔ ایسی امت جو آسمان کی سی بلندی رکھتی تھی اور جس کا ہر فرد ستارے کی مانند تھا۔ اسی صورت میں مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں جب ہر فرد کوشش اور جدوجہد کرے۔ اقبالؒ قوم کے ہر فرد کو ستارہ قرار دیتے ہوئے یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ آج ایک وقت ایسا آ گیا ہے جب دنیا کے کسی بھی خطے پر مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت باقی نہیں رہی۔ اس لیے مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسی جدوجہد کریں کہ مسلمانوں کی تقدیر بدل جائے۔ کیوں کہ افراد ہی اقوام کی



تقدیر بدل سکتے ہیں۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر  
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا  
غور و فکر کر کے ہی انسان اپنی ذات کا، اپنی قوم کا، اپنے معاشرے کا تجزیہ کر سکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان اپنے لیے راستے کا تعین کرتا ہے۔

شعر نمبر 2:

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں  
پکل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا

تشریح: مسلمان نوجوان کی تربیت اُن فاتحین کی نگرانی میں ہوئی ہے جنہوں نے دارا جیسے بڑے بادشاہ کے سر کا تاج پیروں تلے روند دیا تھا۔ امتِ مسلمہ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان قوم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتی۔ وہ بادشاہ جن کے سامنے لوگ رکوع میں جھک جاتے، سجدے میں گر پڑتے، مسلمانوں نے اُن بادشاہوں کا غرور خاک میں ملا دیا۔

حضور ﷺ ختمی مرتبت نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مختلف حکمرانوں کو خطوط کے ذریعے اللہ کا آخری پیغام پہنچایا۔ ان حکمرانوں میں ایران کا بادشاہ خسرو پرویز بھی شامل تھا۔ جب اُس کے سامنے حضور ﷺ کا خط پڑھا جانے لگا جو عرب روایت کے مطابق لکھا گیا تھا۔ جس میں خط لکھنے والے کا نام پہلے لکھا جاتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں لکھا جاتا تھا۔ اتنی سی بات پر وہ غصے میں آ گیا اور حضور ﷺ کا خط چاک کر ڈالا۔ جب یہ اطلاع حضور ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عنقریب اسی طرح اُس کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔“

چنانچہ تھوڑے عرصے بعد ہی مسلمانوں کے ہاتھوں ایرانی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ علامہ محمد اقبالؒ مسلمان نوجوانوں کو یہی تاریخی حقیقت بتا رہے ہیں کہ تم ایسی قوم کے فرد ہو جس کے سامنے حکومت، اختیار، اقتدار کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مسلمان نوجوان کی تربیت اور پرورش اس قوم نے کی جس کے افراد نے ایران کے تخت و تاج کو اپنی ٹھوکروں سے ختم کر دیا تھا۔ ایران نے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے متعدد اقدامات کیے۔ اپنے سب سے اہم سپہ سالار رستم کو فوج کی قیادت سونپی لیکن ایرانی فوج مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا سامنا نہ کر سکی اور مٹھی بھر مسلمانوں کی بہادری نے ایرانیوں کو میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ایران جو اس عہد کی عظیم سلطنتوں میں سے ایک سلطنت تھی، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ایرانی تخت و تاج مسلمانوں کی ٹھوکروں میں آپڑا۔

یہ تیرے پُر اسرار بندے  
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی  
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا  
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

شعر نمبر 3:

تمدنِ آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری  
وہ صحرائے عرب، یعنی شتر بانوں کا گہوارا

تشریح: عرب کے صحرائیں اور اونٹ چرانے والے لوگوں نے دنیا کو نئی تہذیب دی اور حکمرانی کے آداب سکھائے۔

عام طور پر صحراؤں میں بسنے والے لوگ غیر متمدن زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں۔ بلکہ دنیا کی بڑی تہذیبوں کی بربادی کا سبب اسی



طرح کے غیر متمدن لوگ رہے ہیں۔ اس کے برعکس صحرائے عرب میں جب اسلام متعارف ہوا تو صحرائیں رہنے والوں نے صرف اپنے آپ کو ہی مہذب اور متمدن نہیں بنایا بلکہ زندگی گزارنے کا، دنیا پر حکومت کرنے کا ایک ایسا دستور تیار کیا جو ماضی کی طرح آج بھی انتہائی مفید ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ عام طور پر صحراؤں میں رہنے والے، بدوی زندگی گزارنے والے لوگ نہ صرف یہ کہ خود تہذیب یافتہ نہیں ہوتے بلکہ تہذیبی زندگی کو ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ لیکن اسلام ایسا دین ہے کہ جس نے صحرائیوں کو بھی مہذب بنایا اور ان سے ایک ایسا دستور تشکیل کرایا جس دستور پر عمل کرتے ہوئے مختلف تہذیبوں نے ترقی بھی کی اور انسانیت کو فروغ بھی حاصل ہوا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے اس انقلاب آفریں پہلو کی طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔ عرب جو بظاہر غیر متمدن اور خانہ بدوشانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر نہ صرف وہ خود تہذیب یافتہ ہو گئے بلکہ پوری دنیا کو تہذیب سکھائی۔ کسی بھی تہذیب و تمدن کی ترقی کا دار و مدار جن چیزوں پر ہوتا ہے ان میں سب سے اہم علم اور عمل ہے اسلام نے علم کو دینی فریضہ قرار دیا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے“

عمل کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ ”انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے“ یوں اسلام نے تہذیب و تمدن پر ترقی کے راستے کھول دیے۔  
شعر نمبر 4:

سماں اَلْفَقْر فَرْخِ زری کا، رہا شانِ امارت میں

بَاب و رنگ و خال و خط، چہ حاجت روئے زیبا را

تشریح: بادشاہت کے باوجود اُن کی زندگی کا منظر فقیرانہ تھا۔ خوب صورت چہرے کو زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اعلیٰ ظرف انسان کو ظاہری نمود و نمائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مسلمان حکمران اقتدار میں ہوتے ہوئے بھی فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے کیوں کہ جس طرح خوب صورت چہرے کو بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہوتی اس طرح جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا سرمایہ حاصل ہو جائے اُس کے لیے ظاہری رعب و دبدبہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔  
شعر نمبر 5:

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے

کہ منعم کو گدا کے ڈر سے، بخشش کا نہ تھا یارا

تشریح: وہ اللہ والے غریب ہونے کے باوجود اتنے غیرت مند تھے کہ عطا کرنے والا اُن کی ناراضی کے ڈر سے انھیں کچھ دینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

ماضی کے مسلمان اتنے غیرت مند تھے کہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی صاحب اقتدار اور صاحب اختیار لوگ ان کے رعب اور دبدبے سے ڈرتے تھے۔ ان میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اُن کے سامنے، یا اُن کے لیے فیاضی یا سخاوت کا مظاہرہ کریں کیوں کہ مسلمان اپنی ضرورت سے زیادہ مال و دولت کو اپنے دوسرے مومن بھائی کی امانت سمجھتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے مطابق خودی کے استحکام کے لیے خود انحصاری اور فقر اختیار کرنا ضروری ہے۔ کہ یہ فقر ہی کے معجزے ہیں کہ مسلمان ساری دنیا پر حکومت کرتے رہے۔

غیرت ہے بڑی چیز، جہاں تک و دو میں  
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سر دارا



چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہی فرد اور وہی قوم ترقی کرتی ہے جو دوسری قوموں کے سامنے باوقار انداز میں زندگی بسر کرتی ہے جو غیرت مند ہو، جو دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے بلکہ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ اُس کے پاس کچھ نہیں کسی میں یہ ہمت نہ ہو کہ وہ اُسے کچھ دینے کا سوچے۔ بقول اقبالؒ:

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے  
خودی نہ بیچ غربی میں نام پیدا کر

عام طور پر وہ فرد جو کسی کا محتاج ہو وہ اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور جب کوئی شخص کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو غیرت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ ماضی کے مسلمان گدائی میں بھی غیرت کے زیور سے مزین تھے کہ دینے والا، بخشش کرنے والا گدا سے جھجکتا تھا۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات  
تو بھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

شعر نمبر 6:

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں  
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے، وہ نظارا

تشریح: ماضی کے مسلمانوں کی عظمت میں بیٹا تو سکتا ہوں لیکن یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں تمھاری سوچ کی بلندی نہیں پہنچ سکتی۔ انسانی سوچ کا انحصار انسانی شعور پر ہوتا ہے جس کا براہ راست تعلق انسان کے علم سے ہوتا ہے۔ علم جتنا وسیع ہو شعور اتنا زیادہ ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے انسانی سوچ میں وسعت بھی آتی ہے۔ کسی بھی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا علم اور اس کا شعور اس قدر ہو کہ وہ حقیقت کو اپنے صحیح سیاق و سباق میں سمجھ سکے اگر حقیقت بڑی ہو اور انسانی فہم کم تر ہو تو انسان اسے نہیں سمجھ سکتا۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ مجھے تو اظہار پر قدرت حاصل ہے اور میں مسلمانوں کے ماضی سے اچھی طرح آگاہ ہوں اور اگر چاہوں تو اس عہد کی تصویر لفظوں میں بیان کر سکتا ہوں لیکن سننے والوں کا کیا کروں کہ مسلمانوں کا ماضی اتنا بلند ہے کہ آج کا مسلمان اور اُس کی سوچ بھی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتی۔

ع کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

علامہ اقبالؒ عصر حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی پسماندگی کی طرف متوجہ کراتے ہیں کہ ان کی سوچ، ان کا تخیل بھی غلامی کی وجہ سے پست ہو گیا ہے۔ سوچ کی اڑان بھی اتنی نہیں کہ وہ ماضی کے مسلمانوں کی شان و شوکت کا تعین کر سکیں کہ جب مسلمان معلوم دنیا کے بیشتر حصے پر حکمران تھے۔ دنیا کو سائنس، طب، سرجری، علم فلکیات سے روشناس کر رہے تھے۔ صدیوں تک مسلمانوں کا یہ جاہ و جلال قائم رہا لیکن جب زوال پذیر ہوئے تو اپنے ماضی کو بھی بھول گئے اور اب ان کے لیے اس کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں رہا ہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

اقبالؒ بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے  
گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

(بورڈ 2008-2009)

شعر نمبر 7:

تجھے آبا سے اپنے، کوئی نسبت ہو نہیں سکتی  
کہ تو گفتار، وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

تشریح: اے مسلمان نوجوان! تجھے اپنے آباؤ اجداد سے کوئی نسبت نہیں ہے کیوں کہ تو صرف باتیں کرتا ہے وہ عمل کرتے تھے، تو کاہل ہے وہ



مختی تھے۔ ماضی کے مسلمان عمل پر یقین رکھتے تھے جب کہ آج کل کے مسلمان فقط باتیں کرتے ہیں اس لیے جمود کا شکار ہیں۔ ماضی کے مسلمانوں میں ہمیں تحرک اور عمل دکھائی دیتا ہے۔ وہ جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ وہی بات کہتے تھے جو کر کے دکھا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی انسان سے یہی وعدہ ہے کہ

”انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔“

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی  
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے  
”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔“

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی  
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا  
چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی کے مسلمان اپنے عمل کے بل بوتے پر کوشش اور جدوجہد کر کے زندگی کے ہر شعبے میں قابلِ عزت قرار پائے لیکن مسلمان موجودہ زمانے میں عمل سے جی پُرانے لگے ہیں اور جمود کا شکار ہو گئے ہیں۔ عمل سے یہی دوری مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے۔

تھے تو آباؤ اجداد تمہارے ہی مگر تم کیا ہو  
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو  
جب ماضی اور حال کے مسلمانوں میں اتنا فرق ہو تو ان کے درمیان ہمیں کسی بھی طرح کا رشتہ یا تعلق دکھائی نہیں دے سکتا اور علامہ اقبالؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے مختلف نہیں بلکہ متضاد روپے رکھتے ہیں۔

(بورڈ 22,09,2008ء)

شعر نمبر 8:

گنوا دی ہم نے، جو اسلاف سے میراث پائی تھی  
ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

تشریح: ہم نے اپنے بڑوں کی وراثت ضائع کی تو آسمان نے ہمیں بلندیوں سے پستیوں میں گرا دیا۔  
ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے کچھ نہیں سیکھا اسی لیے ہم زوال کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے جو کچھ لیا تھا اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔ اسے ضائع کر دیا اس بے پروائی اور غفلت کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تقدیر نے ہمیں آسمان کی بلندی سے زمین پر لا پھینکا ہے۔ نئی نسل کی تربیت ہمیشہ پرانی نسل کے زیر سایہ ہوتی ہے۔ چناں چہ ہر نسل ماضی سے اخلاقی قدریں، معاشرتی روابط، سوچ کے سانچے، پسند نہ پسند کے معیار بہت کچھ ماضی سے بھی حاصل کرتے ہیں۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں  
آدی، آدی بناتے ہیں

جب نئی نسل اپنے آباؤ اجداد سے کچھ نہ لینا چاہے، ماضی سے اپنا تعلق توڑ لے، تو اس کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے  
یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے جو چیزیں ملی تھیں ہم نے اُن کو فراموش کر دیا ہے ہم اس کی حفاظت نہیں کر

سکے، ہم وہ سب کچھ چھوڑ بیٹھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم زوال کا شکار ہو گئے۔

اے خاصہ خاصانِ رُسل! وقتِ دعا ہے  
اُمّت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے  
یہاں یہ واضح رہے کہ ماضی کے مسلمان عمل پر یقین رکھتے تھے۔ وہ علم کے طلب گار رہتے تھے۔ وہ اخلاقی حوالے سے اعلیٰ سطح پر زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ لیکن ہم عمل سے دور ہو گئے۔ علم سے بے بہرہ ہو گئے۔ اخلاقی سطح پر گراؤ کا شکار ہو گئے۔

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے  
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

(بورڈ 2007)

شعر نمبر 9:

حکومت کا تو کیا رونا، کہ وہ اک عارضی شے تھی  
نہیں دنیا کے آئینِ مسلم سے کوئی چارہ  
تشریح: مجھے حکومت کے چھن جانے کا کوئی دکھ نہیں ہے کیوں کہ وہ عارضی اور ناپائیدار چیز تھی اور دنیا کے تسلیم شدہ اصول کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

ہمیں اسلاف سے وراثت میں حکومت اور علم جیسی دولت ملی۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا پر صدیوں حکومت کی لیکن پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب مسلمان اقتدار سے محروم ہو گئے۔

دراصل حکومت اور اقتدار حاصل کرنے اور اُسے برقرار رکھنے کے طے شدہ اصول ہوتے ہیں۔ زندگی کا نظام کچھ اصولوں کے تابع ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں بغیر وجہ کے، بغیر کسی سبب کے کوئی تبدیلی نہیں آیا کرتی۔ انہی میں حکومت اور اقتدار بھی شامل ہے۔ اگر کوئی قوم عروج اور ترقی حاصل کرتی ہے تو اُس کے اسباب ہوا کرتے ہیں اور اگر وہ زوال کا شکار ہوتی ہے تو وہ بھی بغیر وجہ کے نہیں۔ علامہ اقبالؒ قوموں کے عروج و زوال کو اس طرح بتاتے ہیں:

میں تجھ کو بتاتا ہوں کہ تقدیر اُمم کیا ہے؟  
شمشیر و سناں، اول طاؤس و رُبابِ آخر

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر مسلمانوں سے اقتدار چھن گیا ہے تو اس پر رونے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ دنیا کے اصولوں سے فرار ممکن نہیں۔ مسلمانوں نے علم اور عمل کا دامن چھوڑ دیا تھا۔ اخلاقی گراؤ کا شکار ہو گئے تھے۔ اُن کے درمیان اتفاق و اتحاد ختم ہو گیا تھا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں  
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں  
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو  
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ

”انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔“

جب مسلمانوں نے اقتدار برقرار رکھنے کے لیے ضروری اقدامات کرنا چھوڑ دیے تو اُس کا لازمی یہ نتیجہ نکلا تھا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔



شعر نمبر 10:

(بورڈ 2022)

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی  
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سپارا  
تشریح: مگر جب میں اپنے آباؤ اجداد کی کتابوں کو (جو علم کا خزانہ ہیں) مسلم ممالک کی بجائے یورپ کی لائبریریوں میں دیکھتا ہوں تو میرا دل  
ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں لیکن ہر شے کی اہمیت الگ الگ ہوتی ہے۔ بعض چیزوں کی اہمیت معمولی درجے کی ہوتی ہے  
جو چھن بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بہت زیادہ قیمتی چیز ہو تو انسان کو ایسا لگتا ہے جیسے اُس کے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔  
وہ گم ہوا تو مضامین ہو گئے بے ربط  
وہی تو تھا جو میرا مرکزی حوالہ تھا

حکومت اور اقتدار تو آنے جانے والی چیز تھی۔ اس کے جانے کا دکھ نہیں ہے لیکن اپنے آباؤ اجداد کی تصانیف، ان کے علمی کارنامے ہم  
یورپ میں دیکھتے ہیں تو بڑا دکھ ہوتا ہے کہ ہم اپنی علمی روایات کو برقرار نہیں رکھ سکے۔ اپنے علوم کی حفاظت نہیں کر سکے حالانکہ اسلام واحد مذہب  
ہے جس نے علم کے حصول کو دینی فریضہ قرار دیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان، مرد اور عورت پر فرض ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا معیار بھی علم ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں بھیجے کا سبب بھی علم کی ترسیل قرار دیا گیا ہے:  
”رسول تم میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ تمہارے سامنے آیات کی تلاوت کرے، تمہارا تزکیہ نفس کرے اور تمہیں کتاب و حکمت کی  
تعلیم دے۔“

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر علم کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ جب اتنی تاکید موجود ہو، اور مسلمان علم سے دور ہو جائیں علم کی  
روایات کو آگے تو کیا بڑھانا اُس کی حفاظت بھی نہ کر سکیں تو واقعی یہ دکھ کا مقام ہے۔ ہمیں اسلاف سے وراثت میں علم کی دولت نصیب ہوئی۔ تاریخ  
کے مطالعہ سے یہ چیز نمایاں ہوتی ہے کہ ہمارے اسلاف نے سائنس کا ہر مضمون متعارف کروایا۔ کئی قیمتی کتابیں لکھیں۔ لیکن افسوس کہ آج ہمارے  
اسلاف کی کتابوں سے انگریز مستفید ہو رہے ہیں۔ اقبال علیہ السلام کا کہنا ہے کہ جب میں اپنے بڑوں کی کتابیں یورپ میں دیکھتا ہوں تو میرا دل ٹکڑے  
ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

شعر نمبر 11:

غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن  
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را  
تشریح: اے غنی! تو کنعان کے بوڑھے (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی بد قسمتی دیکھ کہ اُس کی آنکھ کے نور (حضرت یوسف علیہ السلام) نے زلیخا کی آنکھ کو روشن  
کر رکھا تھا۔

☆☆☆☆☆